میرزا ادیب

قائدِ اعظم اور حسِّ مزاح

لاریب قائدِ اعظم برصغیر کے مسلمانوں کے عدیم النظیر رہنما تھے جو اپنے زمانۂ قیادت میں سراپا سنجیدگی بن گئے تھے۔ وہ اعلیٰ درجے کے قانون دان تھے، حقیقی معنوں میں مدبّر اور مفکر تھے، اور انھیں اس چیز کا پورا پورا احساس تھا کہ اگر انھوں نے اپنی قائدانہ ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ذرہ برابر بھی تساہل کو روا رکھا تو اس کا اثر قوم کی اجتماعی جدوجہد پر بہت ناخوش گوار ہوگا۔ وہ ہر معاملے کے ہر ہر پہلو پر غور و فکر کرتے تھے۔ بہت سوچ بچار کے بعد فیصلہ کرتے تھے اور اپنے اندازِ فکر کو بہر صورت جذبات سے متاثر ہونے نہیں دیتے تھے۔ ویسے تو ایک قوم کی زندگی کا ہر دَور اپنی نتیجہ خیزی کے اعتبار سے بڑا اہم ہوتا ہے، کیونکہ اس دَور میں چلنے یا نہ چلنے، رُکنے یا نہ رُکنے اور کرنے یا نہ کرنے سے قوم کی تقدیر بدل جاتی ہے اور وہ یا تو بہت کچھ پالیتی ہے یا بہت کچھ کھو دیتی ہے، مگر بعض لمحے تو ملک قمی کے اس شعر کی عملی تفسیر سامنے لے آتے ہیں :

رفتم کہ خار از پا کشم، محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دُور شد

صرف ایک لمحہ رک جانے سے قافلے اور فرد کے درمیان سَو سال کی مسافت صورت پذیر ہو جاتی ہے۔ فرد کو قوم سمجھ لیا جائے تو سَو سال کی مسافت غالباً دگنی ہو جاتی ہے اور وہ عہد جس میں ہمارا قائد اپنے درماندہ کارواں کو لے کر جہد آزما ہوا تھا۔ بہت نازک عہد تھا۔ قائد نے بے شمار ذمے داریاں سنبھال رکھی تھیں۔ اسے قافلے کی رفتار پر بھی نظر رکھنا تھی کہ کہیں یہ قافلہ راہ کی مشکلات سے پریشان ہو کر مڑ نہ جائے۔ اسے ان مخالف قوتوں کی ریشہ دوانیوں کا بھی مقابلہ کرنا تھا، جو قدم قدم پر اس کی کوششوں کو ناکام بنانے کا تہیہ کیے ہوئے تھیں۔ ان کے علاوہ اپنوں کی مخاصمت بھی اسے آگے بڑھنے سے روک رہی تھی۔ ایسے میں ایک ایک لمحہ بہت قیمتی تھا۔ ایک ایک لمحہ عمل کا مطالبہ

کر رہا تھا اور قائد کا ایک ایک لمحہ مسلسل تگ و دو میں گزر رہا تھا۔ جب صورتِ حال یہ ہو تو عام اور خاص نظریں کسی انسان کا وہ رُخ نہیں دیکھ سکتیں یا دیکھنا نہیں چاہتیں جن کا تعلق فطرتِ انسانی کے لطیف پہلو سے ہے۔ میں نے عرض کیا ہے کہ دیکھنا نہیں چاہتیں۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ یہ پہلو ہوتا تو ضرور ہے مگر دیکھنے والی نظریں اس کی طرف اٹھتی ہی نہیں۔ نتیجۃً یہ پہلو روپوش ہو جاتا ہے، تو قائد کے ذوقِ مزاح کی طرف توجہ نہ دینا اور اسے نظر انداز کر دینا ایک شعوری کوشش کے مترادف نہیں ہے۔ بلکہ نتیجہ ہے اس نظریے کا کہ "دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا"۔ اور جب جد و جہد کی یہ صورت ہو تو ہر وقت کچھ نہ کچھ کرنے کے علاوہ اور کوئی بات سوجھتی ہی نہیں۔

قائد بڑے سنجیدہ انسان تھے۔ غور و فکر کی عادت نے انھیں ایک ایسا انسان بنا دیا تھا، جو ذہنی طور پہ ہر وقت مصروف رہتا ہے، مگر یہ کہنا کہ وہ ہر گھڑی سنجیدہ ہی ہوتے تھے مسکراتے نہیں تھے مسکرا کر بات نہیں کرتے تھے، ہنسی مذاق سے کلیتہً اجتناب کرتے تھے یا مزاح کو ان کی زندگی سے کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔ بالکل غلط بات ہے۔ ایک نارمل انسان حالات کے نشیب و فراز اور وقت کی تغیر پذیری کے زیر اثر مختلف کیفیات کو اپناتا ہے۔ کبھی یہ کیفیت سنجیدگی سے عبارت ہوتی ہے کبھی پریشانی سے کبھی غور و فکر سے اور کبھی ہنسی مذاق سے۔ قائد مدبر، مفکر اور صاحبِ بصیرت ہونے ساتھ مکمل طور پہ ایک نارمل انسان بھی تھے۔ ان کے ہاں وہ سب کچھ تھا جو ایک نارمل انسان میں ہوتا ہے۔ وہ تمام کیفیات سے آشنا تھے۔ ہر کیفیت کے لذت چشیدہ تھے۔ ہاں یہ ایک الگ معاملہ ہے کہ وہ کسی کیفیت کو اپنے اوپر اس طرح حاوی نہیں کر لیتے تھے کہ زندگی کی باقی ساری کیفیتیں اس کے نیچے دب کر رہ جائیں۔

قائد کو منکر سمجھ کر یہ سمجھ لینا کہ ان کے ہاں زندگی کی لطافتیں نہیں تھیں۔ وہ ہر وقت ٹھوس حقائق ہی میں الجھے رہتے تھے، قائد کی ہمہ جہتی اور ہمہ گیر ذات کے ساتھ سخت ناانصافی ہے۔ اگر ہم انھیں ایک نارمل انسان مانتے ہیں۔ اور انھیں نارمل انسان ماننے میں شک و شبہ کی ذرا سی بھی گنجائش نہیں ہے تو انھیں آخر نارمل انسان کی بنیادی ضرورتوں سے کیوں کر بے نیاز تصوّر کیا جا سکتا ہے؟

قائد کی ذات میں مزاحیہ عناصر ملتے ہیں۔ مگر یہاں اس امر سے صرفِ نظر نہیں ہونا چاہیے کہ ایک تو ان کا ذوقِ مزاح ان کے فکر کی طرح بڑا بلند اور ارفع ہوتا تھا۔ اور دوسرا امر یہ کہ وہ موقع و محل کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ جیسا موقع و محل ہوتا تھا، ویسا ہی ان کا رویہ ہوتا تھا اور ان کی ساری زندگی اس اصول پر شاہد ہے۔

اب میں کچھ ایسے واقعات لکھتا ہوں جو قائد کے ذوقِ مزاح کی آئینہ داری کرتے ہیں۔ میں جانتا ہوں، یہ واقعات بہت کم ہیں اور اس کی وجہ میں تفصیلاً اوپر بیان کر آیا ہوں۔

مرحوم حمید نظامی نے اپنے کسی مضمون میں لکھا تھا کہ قائد کو خواتین کے ایک جلسے میں تقریر کرنا تھی۔ مقررہ وقت پر قائد دوسرے لوگوں کے ساتھ جلسہ گاہ کے دروازے پہنچ گئے۔ دروازے پر جلسے کی منتظمہ کھڑی تھیں۔ انھوں نے قائد کا خیر مقدم کیا مگر ان کے ساتھیوں کو روک لیا۔

ایک صاحب نے پوچھا۔

"کیوں محترمہ! ہمیں کیوں روک لیا گیا ہے، ہم بھی تو قائدِ اعظم کے ساتھ آئے ہیں؟"

وہ بولیں۔

"آپ کو معلوم نہیں یہ خواتین کا جلسہ ہے۔ اس میں مردوں کا کیا کام؟"

وہی صاحب بولے۔

"مگر دیکھیے محترمہ! قائدِ اعظم بھی تو مرد ہیں؟"

منتظمہ نے جواب دیا۔

"قائدِ اعظم کی اور بات ہے۔"

یہ الفاظ قائد نے سن لیے اور معترض کو مخاطب کرکے مسکراتے ہوئے کہا: "یہ کوئی میری خوبی نہیں ہے۔"

قائد موقع و محل کے لحاظ سے مزاح آفرینی پر قادر تھے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمایئے: ۱۹۴۰ء کے لاہور کے تاریخی اجلاس میں قائد تقریر کر رہے تھے اور سامعین بڑے غور سے ان کے الفاظ سن رہے تھے، اتنے میں باہر بڑا زبردست قسم کا شور ہوا۔ قائد نے توقف فرما کر اس شور کو سمجھنے کی کوشش کی "شیرِ بنگال زندہ باد" کے نعرے لگائے جا رہے تھے۔

اس پر قائد نے مسکرا کر فرمایا۔

"شیر آگیا ہے اب میمنے کو سٹیج سے الگ ہوجانا چاہیے" اور وہ مائک سے ہٹ کر اپنی کرسی پر جا کر بیٹھ گئے۔

مولوی فضل حق تشریف لائے۔ وہ جب بیٹھ گئے تو قائد پھر مائک کے سامنے آگئے۔

"شیر بیٹھ گیا ہے۔ اب اسے زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے۔ اس لیے میمنا پھر باہر نکل آیا ہے"

مزاح کی خاطر قائد نے خود کو شیر کے مقابلے میں میمنا بناتے ہوئے بھی کسی قسم کے تردد یا تامل کا مظاہرہ نہیں کیا اور ان کی مزاحیہ حس کا تقاضا بھی یہی تھا۔

مسٹر الطاف حسین 'ڈان' کے ایڈیٹر تھے۔ قائد نے اس انگریزی اخبار کے ادارتی فرائض خود الطاف صاحب کے سپرد کیے تھے، کیونکہ وہ موصوف کی صداقت شعاری اور جرأت پسندی کے قائل تھے۔

ایک بار لندن میں قائد اعظم کی سالگرہ کے موقع پر ایک تقریب انعقاد پذیر ہوئی، جس میں چیدہ چیدہ شخصیتوں نے شرکت فرمائی۔ تقریب کے اختتام پر معروف مسلم لیگی لیڈر مرحوم غلام حسین ہدایت اللہ کی بیگم نے قائد کے بازو پر 'امام ضامن' باندھ دیا۔

جب تک یہ کارروائی ہوتی رہی، قائد خاموش رہے۔ پھر الطاف حسین سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

"اب میں ڈان کا مقابلہ بھی کر سکتا ہوں"

غور کیجیے، قائد کا یہ جملہ ان کی کتنی تیز مزاحیہ حس کا اظہار کر رہا ہے۔

قائد ریل گاڑی میں سفر کر رہے تھے۔ سفر کافی طویل تھا۔ ایک سٹیشن پر گاڑی رکی تو قائد چائے پینے کے لیے اپنے ڈبے سے باہر آگئے۔ محترمہ فاطمہ جناح چائے کا اہتمام کرنے لگیں۔ اتنے میں لوگوں نے قائد اعظم کو پہچان لیا اور نعرے لگانے لگے "قائد اعظم زندہ باد"۔ اس وقت مسلم لیگ کے سرگرم رکن مطلوب الحسین سیّد ان کے ہمراہ تھے۔ سیّد صاحب نے قائد سے کہا۔

"یہ شور سن رہے ہیں آپ!"

"سن رہا ہوں"

"یہ آپ کے لیے ہے۔"

"جانتا ہوں"

"تو پھر؟" سیّد صاحب نے فکرمندانہ انداز میں استفسار کیا۔

قائدِ اعظم ہنس پڑے اور بولے۔

"گھبراتے کیوں ہو۔ یہ محض چائے کا ابال ہے۔ ابھی ختم ہو جائے گا۔"

انگریزی میں ایک محاورہ ہے۔ A STORM IN A TEACUP یعنی "چائے کی پیالی میں طوفان" قائدِ اعظم نے اسی محاورے سے فائدہ اٹھایا ہے۔

ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے ایک بڑا خوب صورت مضمون لکھا ہے جس کا عنوان ہے "قائدِ اعظم کی خدمت میں چند لمحے"۔ اس مضمون میں وہ ایک واقعہ لکھتے ہیں:

ملک برکت علی — جو ایک زمانے میں پنجاب اسمبلی کے اندر مسلم لیگ کے واحد نمائندے تھے، ان کے صاحب زادے ملک شوکت علی کی شادی ہو رہی تھی۔ ضیافت میں قائدِ اعظم بھی شریک تھے اور ان کے پاس میاں فضل حسین بیٹھے تھے۔ میاں صاحب کے آگے فیرنی رکھی گئی، اور انھوں نے اس کا پہلا چمچ ہی منہ میں ڈالا تھا کہ کچھ پریشان ہو کر کہنے لگے۔

"میں پانچ برس کے بعد لاہور میں آیا ہوں۔ اس مدت میں یہاں کھانے کا معیار و مذاق شاید بدل چکا ہے۔"

ملک صاحب بولے۔

"نہیں تو، معیار و مذاق کھانے کا وہی ہے جیسا پانچ برس پہلے تھا۔ ممکن ہے آپ خود بدل گئے ہوں۔"

میاں صاحب نے پوچھا۔

"کیا اب لاہور میں فیرنی کے اندر چینی کے بجائے نمک ڈالا جاتا ہے؟"

ملک صاحب کو اس غلطی کا احساس ہو گیا جو ان کے باورچی سے سرزد ہوئی تھی۔ قصّہ یہ تھا کہ باورچی نے فیرنی میں چینی کی بجائے نمک ڈال دیا تھا۔ جب اس کا پتہ چلا تو فیرنی کی نئی دیگ پکائی گئی مگر میاں صاحب کے سامنے غلطی سے پہلی فیرنی ہی کی رکابی چلی گئی۔

قائد نے یہ سارا مکالمہ بڑی دلچسپی سے سنا تھا۔ مسکرا کر میاں صاحب سے کہنے لگے:
"ملک برکت علی نے کوشش کی ہے کہ آپ کو زیادہ سے زیادہ نمک کھلایا جائے۔ تاکہ آپ نمک حلالی کر سکیں"۔

ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن، لیڈی ماؤنٹ بیٹن اور قائدِ اعظم کی تصویر اتاری جانے لگی تھی۔ گروپ فوٹو میں خواتین کو سب سے نمایاں مقام دیا جاتا ہے — یہ ایک روایت بن چکی ہے اور قائدِ اعظم کو یقین تھا کہ لیڈی ماؤنٹ بیٹن درمیان میں کرسی نشین ہوں گی۔ چنانچہ کہنے لگے:
"لیڈی ماؤنٹ بیٹن آپ تو کانٹوں کے درمیان پھول ہیں"۔

قائد کی زندگی میں کئی ایسے مواقع آئے ہوں گے جب انھوں نے اپنی طبع مزاح پرور کا اظہار کیا ہوگا — مگر افسوس اس بات کا ہے کہ یہ مواقع آئے اور چلے گئے — سوانح نگاروں نے ان کی طرف زیادہ توجہ نہ کی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں ابھی کئی ایسی ہستیاں زندہ ہیں جو قائد کے قریب رہ چکی ہیں۔ وہ بخوبی ماضی میں جھانک کر ان لمحوں کی نشان دہی کر سکتی ہیں جن میں قائدِ اعظم کے ذوقِ مزاح نے اپنی موجودگی کا بھرپور احساس دلایا۔ اور قائد کی زندگی کے دوسرے لمحوں کی طرح یہ لمحے بھی بہت قیمتی ہیں۔

معارفِ حدیث — اُردو ترجمہ معرفۃ علوم الحدیث

از مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی

"معرفۃ علوم الحدیث"، فنِ حدیث میں ایک گراں قدر تصنیف تسلیم کی گئی ہے۔ اس کے مصنف امام ابو عبداللہ الحاکم نیشاپوری (۳۲۱ھ - ۴۰۵ھ) ہیں۔ اس میں حدیث کی قسمیں، راویانِ حدیث کے مراتب اور ان کے حالات وغیرہ سب معلومات آگئی ہیں۔ ترجمہ بڑا شگفتہ اور رواں ہے۔

قیمت: گیارہ روپے

ملنے کا پتہ: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور